علامہ اقبال کی نظر میں عورت کا مقام

تحریر: سیدہ نغمہ زیدی ☆

عورت نام ہے ایک حسین شعریت کا، روحانی قلب وسکون کا، جس کا مسلک وفاداری، جس کا مذہب محبت اور جس کا فرض انسان سازی ہے۔ وہ امتزاجِ رنگ ونغمہ کا ایک مجسمہ ہے جو باصرہ نواز بھی ہے اور سامعہ پرور بھی۔ اس کا خمیر مشامِ جاں اور حریرو پرنیاں سے ترکیب پاتا ہے جس کا شامہ حیات زا اور لمس لطافت آفرین ہے۔

دنیا کی کسی زبان کو لے لیجئے۔ اس کے لٹریچر کا موضوعِ غالب عورت ہی ملے گا، اور ادب پر کیا منحصر تمام فنونِ لطیفہ کا دراصل مرکزِ ثقل ہی عورت ہے۔ بابل کی تہذیب یونان سے بھی پرانی ہے، لیکن اس عہدِ عتیق کی وہ تنہا داستان ایک عورت ''زہرہ'' ہی کا فسانہ ہے۔ مصرِ قدیم سے کبھی قلوپطرہ کے نام کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ورجل اور دانتے یورپ کے مشہور شعراء ہیں، لیکن ورجل کی تخلیقِ شعری میں عورت کس قدر غالب ہے! مغربی مصوروں لینارڈو اور رفائیل کے شہرۂ آفاق تصویری شاہکار مونا لیزا اور لاولٹا عورتیں ہی تھیں۔ جذبات کی دنیا میں مغرب نے ہمیشہ مشرق کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے۔ مشرق میں کون ہوگا جسے لیلیٰ، شیریں اور سلمیٰ کے نام از بر نہ ہوں! خود ہندوستان اپنی سیتا، رادھا، دروپدی، ہیر، سوہنی کبھی بھی نہیں بھول سکتا۔

لیکن وہ عورت جس سے مَرد کی زندگی مفہوم پاتی ہے اور جس پر کارخانۂ عالم کی اساس ہے، روزِ اوّل سے لے کر موجودہ مہذب دنیا تک اسے ایک بُت کی مانند پوجا تو گیا، لیکن عموماً اسے مَرد کے مقابلے میں کمتر اور اَخلاقی، دماغی اور معاشرتی حیثیت میں

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، جناح کالج فار ویمن، پشاور یونیورسٹی، پشاور

مَرد سے بدرجہا پست سمجھا جاتا رہا ہے۔ یونان کے مشہور فلسفی افلاطون نے عورت کا شمار بچوں اور غلاموں کے ساتھ کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ زندگی کے تمام میدانوں میں وہ مَرد سے بہت پیچھے ہے۔ رومن قانون میں عورت مَرد کی زرخرید کنیز تھی۔ وہ ادائے شہادت کے قابل نہ سمجھی جاتی تھی۔ اس کا مال ومتاع شوہر کی ملکیت ہو جاتا تھا۔ بدھوں کے نزدیک عورت اُن تمام مکروفریب کے جالوں میں سے جو شیطان نے انسان کے لئے پھیلا رکھے ہیں' سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ عیسائی مذہب کے پادری طرطولیان عورت کو برائیوں کی جڑ قرار دیتے ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: ''تم شیطان کا دروازہ ہو' تم نے خدا کی شبیہہ کو مٹا دیا''۔ یہی نہیں' بلکہ ۵۸۶ء میں میکن کی کونسل کے اجلاس میں یہ مسئلہ اٹھایا گیا کہ عورت کا شمار بنی نوعِ انسان میں بھی ہے یا نہیں؟ برصغیر کے طول وعرض میں ہندوؤں نے اس صنف نازک پر جو ظلم روا رکھے ہیں اس کی مثال دوسری جگہ مشکل سے ملے گی۔ ویدوں کے احکام کے مطابق عورتیں مذہبی کتابوں کو نہیں چھو سکتیں۔ ایسٹر مارک رقم طراز ہیں: ''اگر کوئی عورت' کتا یا شودر کسی متبرک بُت کو چھو لے تو اس بُت کی اُلوہیت تباہ ہو جاتی ہے''۔ عورت کو غلام سے بھی کمتر درجہ دیا گیا۔ شوہر کے مرنے کے بعد اسے زندہ نذرِ آتش کر دیا جاتا تھا' بلکہ ستی کی رسوائے زمانہ رسم آج بھی کئی علاقوں میں جاری ہے۔

اہل عرب عورت کے وجود کو موجب ذلت وعار سمجھتے تھے۔ لڑکی کو پیدا ہوتے ہی زندہ گاڑ دیا جاتا تھا۔ قیس بن عاصم نے آٹھ دس لڑکیاں دفن کی تھیں۔ اسلام کے آنے سے پہلے دنیا نے عورت کو ایک غیر مفید بلکہ مخل تمدن عنصر سمجھ کر میدانِ عمل سے ہٹا دیا تھا۔ اسلام نے دنیا کی اس روش کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور بتایا کہ زندگی مَرد اور عورت دونوں ہی کی محتاج ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝﴾ (التکویر: ۸'۹)

''جب کہ زندہ درگور لڑکی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کس گناہ میں ماری گئی''۔

دنیا نے عورت کو منبع معصیت اور مجسم پاپ اور گناہ سمجھ رکھا تھا' مگر افضل الانبیاء ختمی

مرتبت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنیَا النِّسَاءُ وَالطِّیبُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَینِی فِی الصَّلٰوةِ)) (۱)

''دنیا (کی چیزوں) میں مجھے عورت اور خوشبو پسند ہے (لیکن) میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے''۔

غرض اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے چودہ سو سال قبل عورت کو مرد کے برابر حقوق اُس وقت دیئے جب عورت کے حقوق کا تصور ابھی دنیا کے کسی معاشرے میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ لیکن دنیائے شاعری میں عورت کو کبھی وہ مقدس و محترم مقام نصیب نہیں ہوا تھا جس کی وہ مستحق تھی۔ اردو اور فارسی شعراء ہمیشہ اسے ایک محبوبہ یا بازاری عورت کے روپ میں پیش کرتے رہے۔ مولانا حالؔی نے پہلی بار اردو شاعری کو اس کے روایتی انداز سے نکالا اور اس میں جدیدیت کا رنگ بھر کر تنگنائے غزل کو وسعت بخشی اور غزل کا تصور عملی زندگی سے ہمکنار ہوا۔ حالؔی کی شاعری میں پہلی مرتبہ عورت ایک محبوبہ کے روپ سے نکل کر ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی معزز حیثیت میں نمودار ہوئی۔ حالؔی کے بعد اقبالؔ ہمارے دوسرے عظیم شاعر ہیں جنہوں نے عورت کی عظمت اور وقار کو اپنی شاعری میں بلند درجہ دیا ہے۔ وہ اپنی بیاض میں فرماتے ہیں:

''وہ عورت جو کمالِ حسن کے باوصف پندارِ حسن سے مطلق مبرا ہو میرے نزدیک خدا کی تمام مخلوقات میں دلکش ترین شے ہے''۔

علامہ اقبال نے اپنی کئی تصانیف مثلاً رموزِ بےخودی، جاوید نامہ، ضربِ کلیم، بانگ درا اور ارمغانِ حجاز میں اس موضوع پر بڑے مدلل انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، بلکہ اپنے مقالات، خطوط اور مختلف خطبات میں بھی موقع بہ موقع اس موضوع پر بحث کی ہے۔ ''رموزِ بےخودی'' جو ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی، اس کے آخر کے تین باب عورت ہی کے ضمن میں لکھے گئے ہیں۔ اقبالؔ ''خطاب بہ مخدراتِ اسلام'' کے عنوان کے تحت عورتوں کی قدر و منزلت کو ناصحانہ پیرائے میں یوں بیان کرتے ہیں:

اے ردایت پردۂ ناموسِ ما　　تابِ تو سرمایۂ فانوسِ ما

(۱) مسند احمد، کتاب باقی مسند المکثرین، باب باقی المسند السابق۔

طینتِ پاکِ تو ما را رحمت است — قوتِ دین و آسائش ملت است
کودکِ ما چون لب از شیر تو شست — لا الہٰ آموختی او را نخست
می تراشد مہرِ تو اطوارِ ما — فکرِ ما' گفتارِ ما' کردارِ ما

یعنی اے عورت! تیری چادر ہماری عزت کی محافظ ہے اور تیرا ہی نور ہماری فانوس یعنی ہماری زندگی کا حقیقی سرمایہ ہے' تو نہ ہوتی تو نہ ہماری زندگی ہوتی اور نہ ہی زندگی کی یہ رونق ہوتی۔ تیری ہستی اور تیری پاک طینت ہماری قوم کی بنیادوں کو مضبوط کرنے والی اور ہمارے لئے باعث رحمت ہے۔ ہماری ملت وقوم کے بچوں نے جوں ہی اپنے ہونٹوں کو تیرے شیر سے تر کیا تو نے سب سے پہلے انہیں توحید کا سبق سکھایا۔ تیری محبت کے سانچے میں دراصل ہماری گفتار اور کردار ڈھلتے ہیں۔

گویا اردو شاعری میں پہلی بار اقبال نے عورت کی عزت وحرمت اور قدر ومنزلت کو بیان کیا کہ عورت ہی وہ ذات ہے جو قوموں کی سیرت کی تعمیر کرتی ہے اور عورت ہی کی پیشانی کے خط میں ہماری قومی تقدیر پوشیدہ ہے۔ اقبال کے نزدیک عورت کا اہم ترین منصب ماں ہے' کیونکہ اس پر نسل انسانی کی بقا کا انحصار ہے۔ وہ ماں جو حسن سیرت کا مجموعہ ہو اپنی اولاد کو بھی حسن سیرت کے سانچے میں ڈھال کر اُس کو قوم وملت کے لئے سرمایۂ فخر بنا دیتی ہے۔ ماں کی حیثیت میں عورت کی عزت وتکریم کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے''۔ اسی لئے اقبال بھی عورت کی فضیلت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

نیک اگر بینی امومت رحمت است — زانکہ او را با نبوت نسبت است
شفقتِ او شفقتِ پیغمبر است — سیرتِ اقوام را صورت گر است
از امومت پختہ تر تعمیر ما — در خط سیمائے او تقدیر ما
از امومت گرم رفتارِ حیات — از امومت کشفِ اسرارِ حیات

گویا علامہ اقبال کی نظر میں عورت کی عظمت کا راز اس کے فرضِ امومت کی ادائیگی میں ہے۔ جس قوم کی عورتیں فرائض امومت سے کترانے لگتی ہیں' اس کا

معاشرتی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ مغربی تمدن کی اقدارِ عالیہ کو اسی لئے زوال آ گیا ہے کہ وہاں کی عورت آزادی کے نام پر جذبۂ امومت سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔ اقبال نے یورپ کے اس رجحان کی سخت مذمت کی ہے، جس کے تحت عورت صرف فیشن کا پتلا بننے ہی کو اپنا کمال سمجھتی ہو، پھر شمعِ محفل بن کر رقص و سرود کی محفلوں کو گرماتی ہو، یا پھر سوسائٹی گرل بن کر زندگی گزارنے ہی کو وہ بہترین زندگی سمجھتی ہو اور ماں بننے سے کوسوں دُور بھاگتی ہو۔ ایسی عورت کو اقبال معاشرے کے لئے ایک بدنما داغ تصور کرتے ہیں۔

''جاوید نامہ'' میں وہ عورت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار ایک دوسرے انداز میں کرتے ہیں۔ مثلاً اس کتاب میں وہ ہفت افلاک کی سیر کرتے ہیں اور فلک مریخ پر وہ ایک ایسی دوشیزہ کی گفتگو سنواتے ہیں جو دعوائے نبوت کرتی ہے اور خواتین کے لئے گمراہ کن پروپیگنڈہ کرتی ہے۔ اقبال سب سے پہلے اس کی کیفیت اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں:

چہرہ اش روشن ولے بے نور جان
معنیٔ او بر بیانِ او گران
حرفِ او بے سوز و چشمش بے نمی
از سرورِ آرزو نامحرمی
بے خبر از عشق و از آئینِ عشق
صعوۂ رو کردۂ شاہینِ عشق

[اس کا چہرہ روشن تھا مگر روحانی نور سے محروم۔ وہ حرفِ مدعا لب پر واضح طور پر نہ لا سکتی تھی۔ اس کی باتیں بے سوز اور اس کی آنکھیں بے نم تھیں۔ سرورِ آرزو کی اسے خبر نہ تھی۔ وہ عشق اور آدابِ عشق سے بے بہرہ تھی۔ وہ ایک ممولے کی طرح تھی جسے عشق کے شاہین نے بھگا دیا ہو۔]

اس دوشیزہ کو علامہ نے فلک مریخ کی نبیہ کا نام دیا ہے اور اس کی تبلیغ کو یوں بیان کیا:

اے زنان! اے مادران! اے خواہران
زیستن تا کی مثالِ دلبران
دلبری اندر جہان مظلومی است
دلبری محکومی و محرومی است
از امومت زرد روی مادران
اے خنک! آزادیٔ بے شوہران

[اے عورتو! اے ماؤں! اے بہنو! (مرد کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں بندھ کر اس کی) محبوبہ بن کر جینا بھی کوئی جینا ہے؟ دنیا کے اندر اس طرح محبوبہ (بیوی) بن کر رہنا تو مظلوم بن کر رہنا ہے۔ یہ تو محکومی اور محرومی کی زندگی ہے۔ (تم امومت کا بار نہ اٹھانا' کیونکہ) ماں بننے سے عورت کا چہرہ زرد ہو جاتا ہے۔ بے شوہر عورتوں کی آزادی کتنی مبارک ہے!]

لیکن اقبال جدیدیت کے اس رجحان کو خلافِ فطرت قرار دیتے ہیں اور ہر وہ عمل جو انسانی فطرت کے تقاضوں کے خلاف ہو' اُسے مذموم اور قبیح خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس تہذیب جدید کی دلدادہ دوشیزہ کی باتوں کا جواب یوں دیتے ہیں:

زندگی اے زندہ دل دانی کہ چیست؟
عشق یک بین در تماشائے دوئی است
مَرد و زن وابستۂ یک دیگر اند
کائناتِ شوق را صورت گر اند!

[اے زندہ دل! کیا تو جانتا ہے کہ زندگی کیا ہے؟ یہ دوئی میں ایک کو دیکھنے کا یعنی کثرت میں وحدت کے تماشے کا نام ہے۔ مَرد اور عورت ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں اور کائناتِ شوق کی صورت گری کرتے ہیں!]

اقبال کہنا چاہتے ہیں کہ عورتوں کی آزادی کی تحریک اور ان کی سوچ غلط راستے پر پڑ گئی ہے۔ عورتوں کی بے راہ روی پوری قوم کی تباہی اور بربادی ہے۔ ان کی بے جا آزادی سے جرائم بڑھتے ہیں اور معاشرہ آوارہ اور بدکار ہو جاتا ہے۔ اقبال کو اِس

آزادی کے نظریئے سے اختلاف ہے۔ وہ ایک جگہ کہتے ہیں:

''اگر عورت کو اس کے اصلی فرائض سے ہٹا کر ایسے کاموں پر لگایا جائے جنہیں مَرد انجام دے سکتا ہے' تو یہ طریقۂ کار یقیناً غلط ہو گا' مثلاً عورت کو جس کا اصلی کام آئندہ نسل کی تربیت ہے' ٹائپسٹ یا کلرک بنا دینا نہ صرف قانون فطرت کی خلاف ورزی ہے' بلکہ انسانی معاشرے کو درہم برہم کرنے کی افسوس ناک کوشش ہے''۔

چنانچہ ''رموزِ بے خودی'' میں فرماتے ہیں:

قوم را سرمایہ اے صاحب نظر
نیست از نقد و قماش و سیم و زر
مالِ او فرزند ہائے تندرست
تر دماغ و سخت کوش و چاق و چست
حافظِ رمزِ اخوت مادران
قوتِ قرآن و ملت مادران

[اے صاحب نظر! قوم کا حقیقی سرمایہ روپیہ پیسہ' مال و متاع اور سونا چاندی نہیں ہے' بلکہ اس کا سرمایہ تو تندرست نوجوان ہیں جو تازہ دماغ' محنت کرنے والے اور چاق و چوبند ہوں۔ بھائی چارے کی حقیقت کی محافظ تو مائیں ہیں۔ قرآن اور ملت کی اصل قوت مائیں ہیں۔]

عزیز احمد ''اقبال: نئی تشکیل'' میں لکھتے ہیں:

''اقبال کے نزدیک مَرد اور عورت دونوں مل کر کائناتِ عشق کی تخلیق کرتے ہیں۔ عورت زندگی کی آگ کی خازن ہے' وہ انسانیت کی آگ میں اپنے آپ کو جھونکتی ہے اور اس آگ کی تپش سے ارتقاء پذیر انسان پیدا ہوتے ہیں۔ اس عشق میں جو صلاحیت تخلیق اور ذوقِ تخلیق حیات نے عورت کو عطا کیا ہے اقبال کے خیال میں اس کی وجہ سے خلوت لازم آتی ہے۔ یہی حجاب کا راز ہے جو اقبال کے نزدیک پردے کا جواز ہے''۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اقبال مَردوں کو تو اثباتِ خودی کی تعلیم دیتے ہیں لیکن

عورتوں کو اس کا موقع نہیں دیتے کہ وہ آزادی حاصل کر کے اپنی خودی کا اثبات کر سکیں۔ دراصل اقبال آزادیٔ نسواں کے اس حد تک قائل ہیں جس حد تک اسلام عورتوں کی آزادی کی ایک محدود اجازت دیتا ہے۔ چنانچہ اقبال ۱۹۱۰ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ایک خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

> ''کہ بجوائے آیۂ کریمہ ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ﴾ میں مَرد اور عورت کی مطلق مساوات کا حامی نہیں ہو سکتا' کیونکہ قدرت نے ان دونوں یعنی مَرد اور عورت کے تفویض جدا جدا خدمتیں کی ہیں۔ عورتوں کا آزاد کر دیا جانا ایک ایسا تجربہ ہے جو میری دانست میں بجائے کامیاب ہونے کے الٹا نقصان رساں ثابت ہوگا اور نظامِ معاشرت میں اس سے بے حد پیچیدگیاں واقع ہو جائیں گی''۔

گویا جب عورت پردے سے باہر آ جاتی ہے تو وہ زیب و زینت' ذہنی پراگندگی' جھوٹی نمائش اور بے باکی و بے حیائی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اقبال کے نزدیک عورت کے ذاتی جوہر خلوت میں کھلتے ہیں' جلوت میں نہیں۔ ''خلوت'' کے نام سے ایک نظم میں کہتے ہیں:

رسوا کیا اس دَور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگہ' آئینۂ دل ہے مکدر
بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر!

وہ اپنے ایک مضمون ''قومی زندگی'' میں پردے کے متعلق فرماتے ہیں:

> ''چونکہ اقوامِ ہندوستان نے اَخلاقی لحاظ سے بہت کچھ ترقی نہیں کی ہے اس واسطے اس دستور کو یک قلم موقوف کر دینا میری رائے میں قوم کے لئے نہایت مضر ہوگا''۔

اقبال کے نزدیک مَرد اگر صاحب غیرت ہے تو وہ عورت کی صحیح محافظت کے فرائض سرانجام دے سکتا ہے۔ اگر مَرد میں غیرت نہ ہو تو عورت کی حفاظت نہ پردہ کر سکتا ہے

اور نہ ہی عورت کا عورت پن اس کی حفاظت کر سکتا ہے۔ ''ضربِ کلیم'' میں فرماتے ہیں:

اک زندہ حقیقت ہے مرے سینے میں مشہود
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ نہ تعلیم نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مَرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اُس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد!

علامہ اقبال عورت کے لئے مغربی تہذیب اور تعلیم کو بھی بھیانک تصور کرتے ہیں۔ ''بانگ درا'' میں لڑکیوں کے مغربی علوم میں دلچسپی لینے پر علامہ کی یہ پیشین گوئی کچھ بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتی:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ!

دراصل علامہ اقبال عورت کی تعلیم کو تو ضروری سمجھتے ہیں مگر ایسی تعلیم جو دین پر مبنی ہو۔ صرف دنیاوی اور مغربی تعلیم علامہ کے نزدیک موت کے مترادف ہے' ان کی رائے میں وہ تمام مضامین جو عورتوں کی نسائیت کی نفی کرنے یا اسلام کے دائرے سے انہیں باہر نکالنے والے ہوں' عورتوں کے نصابِ تعلیم سے خارج کر دینے چاہئیں:

''ہمارے نکتہ آموز ابھی تک اندھیرے میں رستہ ٹٹولتے پھرتے ہیں۔ انہوں نے ابھی تک لڑکیوں کے لئے کوئی خاص نصابِ تعلیم معین و مرتب نہیں کیا' بلکہ ان میں سے بعض بزرگواروں کی آنکھیں تو مغربی تصورات کی روشنی سے ایسی چندھیا گئی ہیں کہ وہ ابھی تک اسلام میں جو قومیت کو ایک خاص ذہنی کیفیت یعنی مذہب پر منحصر قرار دیتا ہے اور مغربیت میں جس نے قومیت کا ایک محل خارجی موادیعنی وطن کی بنیاد پر تعمیر کیا ہے' کوئی فرق نہیں سمجھ سکے''۔

اپنی نظم ''عورت اور تعلیم'' میں انہوں نے مغربی تہذیب پر اس طرح تنقید کی ہے:

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگِ اُمومت
ہے حضرتِ انساں کے لئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت!

علامہ اقبال یورپ کے مخلوط طرزِ تعلیم کے بھی سخت مخالف تھے۔ کیونکہ ان کی نظر میں جو قیود اسلامی معاشرے میں اخلاقی قدروں کو مستحکم کرنے کے لئے مسلمان خواتین پر عائد کی گئی ہیں، مخلوط تعلیم ان قیود و ضوابط کو توڑ دیتی ہے، جس کا نتیجہ اخلاقی زوال ہے۔ اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان خواتین جو مسلم قوم کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں، ان کا الگ نصابِ تعلیم، الگ تعلیمی ادارے اور الگ یونیورسٹی ہو، تاکہ وہ مخصوص نسوانی ماحول میں تعلیم حاصل کریں، کیونکہ مغربی نظریۂ تعلیم اور نصابِ تعلیم کی وجہ سے وہ بلا سوچے سمجھے مغربی تہذیب و تمدن کی نقالی کئے جا رہی ہیں۔ چنانچہ آزادیٔ نسواں کے بارے میں وہ فیصلہ عورت ہی پر چھوڑتے ہیں کہ وہ خود سوچے کہ اس کے لئے کیا بہتر ہے۔ اپنی نظم ''آزادیٔ نسواں'' میں فرماتے ہیں:

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے وہ قند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں، معذور ہیں مَردانِ خرد مند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادیٔ نسواں کہ زمرد کا گلوبند؟

اقبال کا عورت کے بارے میں نظریہ خالصتاً اسلامی ہے۔ وہ عورتوں کی صحیح تعلیم

اوران کی حقیقی آزادی اور ترقی کے خواہاں ہیں' لیکن آزادیٔ نسواں کے مغربی تصور کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ انہوں نے دخترانِ ملت کے لئے مذہب کو صراطِ مستقیم قرار دیا ہے۔ ''جاوید نامہ'' میں وہ حاکم پنجاب عبدالصمد کی دختر شرف النساء کا ذکر نہایت عقیدت واحترام سے کرتے ہیں جو عشق الٰہی میں اس قدر ڈوبی ہوئی تھی کہ ہر وقت کلام پاک کی تلاوت کرتی رہتی تھی' یہاں تک کہ جب وہ قریب الموت ہوئی تو کہنے لگی: ''اگر تم میرے راز سے باخبر ہو تو دیکھو کہ یہ تلوار ہے اور یہ قرآن۔ یہی دو طاقتیں ہیں جنہوں نے کائنات کا احاطہ کر رکھا ہے''۔ اقبال اس کے کردار سے متاثر ہو کر فرماتے ہیں:

قلزمِ ما این چنین گوہر نزاد
ہیچ مادر این چنین دختر نزاد
خاکِ لاہور از مزارش آسمان
کس نداند رازِ او را در جہان!

[ہمارے سمندر نے اس جیسا کوئی دوسرا گوہر پیدا نہیں کیا۔ کسی ماں نے اس جیسی بیٹی پیدا نہیں کی۔ لاہور کی خاک اس کے مزار سے آسمان کے ہم مرتبہ ہے۔ اس کے راز کو دنیا میں کوئی نہیں جانتا۔]

علامہ اقبال نے جنگ طرابلس میں ایک عرب لڑکی فاطمہ بنت عبداللہ کو' جو میدانِ جنگ میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہو گئی تھی' خراج تحسین پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

فاطمہ تو آبروئے اُمّتِ مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مُشتِ خاک کا معصوم ہے!

اور خود عورت کی عظمت کا اعتراف نظم ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' لکھ کر کیا ہے۔ اس پوری نظم سے ماں کے بارے میں ان کے احساسات وجذبات کی نمائندگی ہوتی ہے۔ لیکن وہ تاریخی ہستی جس کی شخصیت اور ذات سے علامہ کو از حد عقیدت تھی وہ بنت رسولؐ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی مبارک ذات تھی۔ اقبال ان کے کردار

سے اس درجہ متاثر ہوتے ہیں کہ ان کو کہنا پڑتا ہے کہ ''اگر شریعت کی زنجیر پاؤں میں نہ ہوتی تو میں اس عظیم خاتون کی قبر کے گرد طواف کرتا''۔ اقبال کے نزدیک انسانی خودی کے بنیادی اوصاف، فقر، قوت، حرمت اور سادگی سے عبارت ہیں اور یہ تمام حضرت فاطمہ الزہراءؓ کی زندگی میں بدرجۂ اتم جمع ہو گئے تھے۔ انہی اوصاف نے ان کے اُسوہ کو عورتوں کے لئے رہتی دنیا تک مثالی بنا دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

مریم از یک نسبتِ عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہرا عزیز
نورِ چشمِ رحمۃ للعالمینؐ
آن امامِ اوّلین و آخرین
بانوئے آن تاجدارِ ھَلْ اَتٰی
مرتضٰی، مشکل کشا، شیر خدا
مادرِ آن مرکزِ پرگارِ عشق
مادرِ آن کاروان سالارِ عشق

یعنی حضرت مریم کی عزت وتکریم ہم اس لئے کرتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ تھیں، لیکن حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی عزت وتوقیر تین حیثیتوں سے ہے، کہ وہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صاحبزادی تھیں، حضرت علیؓ شیر خدا کی زوجہ اور حضرت امام حسینؓ جیسے سالارِ عشق کی والدہ تھیں، اوران تینوں حیثیتوں میں سیرت وکردار کے جو اعلیٰ نمونے آپؓ نے چھوڑے ہیں وہ مسلمان خواتین کے لئے قابل تقلید ہیں۔

علامہ اقبال عورتوں کے لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کردار کو مثالی قرار دیتے ہیں اور ان کی خواہش تھی کہ مسلمان خواتین بنت رسولؐ کے طرزِ زندگی کو اپنائیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ہوشیار از دستبردِ روزگار
گیر فرزندانِ خود را در کنار

فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند
چشمِ ہوش از اُسوۂ زہرا ؓ مبند
تا حسینے شاخِ تو بار آورد
موسم پیشین بہ گلزار آورد

یعنی اے مسلمان عورت! تو ہوشیار رہ! اور اس زمانے کی دست برد سے اپنے بچوں کو بچانے کی کوشش کر۔ اے عورت! تیری فطرت اپنے اندر بہت بلند جذبات رکھتی ہے' اس لئے تو فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو اپنی زندگی کا نمونہ بنا' تا کہ تیری شاخ سے حسین رضی اللہ عنہ جیسے فخر زمانہ شگوفے پھوٹیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر مسلمان خواتین حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کردار کو مشعل راہ بنا لیں تو مسلمان قوم پھر سے اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتی ہے' کیونکہ عورت کی جو کچھ عظمت کلامِ اقبال میں ہے' وہ امومت سے وابستہ ہے۔ اقبال کی نظر میں مائیں قوموں کو بناتی اور بگاڑتی ہیں۔ اقبال کی رائے میں عورت کا احترام اصل دین ہے اور اس کی بزرگی و شرف انسانی نسل کی بقا کا ضامن ہے۔ وہ صرف اپنے مادرانہ رتبے میں ہی ارفع و اعلیٰ نہیں بلکہ جمالی اور حیاتی پہلو سے بھی اس کا وجود کائنات کے لئے رنگ و بو کا باعث ہے۔ اسی لئے علامہ اقبال اپنی نظم ''عورت'' میں اسے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مُشتِ خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درِ مکنوں
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں!

☆☆☆

(بشکریہ: مجلّہ پیغام آشنا)